

بہنا پاتھا۔ اور سلوکو پار کرنی تھی اور اس پر بھروسہ رکھتی تھی۔ وہی ستواج اس سے
بواس گھات کر رہی ہے۔ مسحرا اور سلومن ضرور ہی پہلے سے تعلق رہا ہو گا۔ مسحرا
اس سے ندی کنارے یا کھدوں میں ملتا ہو گا اور آج وہ اتنی رات گئے ندی پار
کر کے اسی لئے یہاں آئی ہے۔ اگر اس نے ان دونوں کی باقیں زدنی لی تو ہمیں
تو اسے خرچنگ نہ ہوتی۔ مسحرا نے عشقیہ ملاقات کے لئے یہی موقع سب سو
زیادہ مناسب سمجھا ہو گا۔ گھر میں سنا چاہ جسے ہے! اس کا دل سب کچھ جاننے کے لئے
بے ہمیں ہو رہا تھا وہ سارا بھید جان لینا چاہتی تھی تاکہ اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر
سوچ سکے۔ اور یہ مسحرا یہاں کیوں کھڑا ہے؟ کیا وہ اسے کچھ بولنے بھی دیکھا
اس نے غصے سے کہا۔ تم باہر کیوں نہیں جاتے؟ ایا ہمیں پہر ادیتے رہو
مسحرا کچھ پوئے بغیر باہر ملا گیا۔ اس کا خون خشک ہو رہا تھا کہ کہیں سلو
سب کچھ کہہ نہ ڈالے۔ اور سلوکی جان سوکھ رہی تھی کہ اب وہ لکھتی ہوئی تلوار
سر پر گرا ہی چاہتی ہے۔

تب سوانا نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا: دیکھو ستوا بسب نیک نیک بناد
نہیں میں تھا رہے سامنے ہیں اپنی گردن پر گندہ اسamarوں خی، پھر تم میں سی
سوت بن کر راج کرنا۔ دیکھو گندہ اسادہ سامنے پڑا ہے۔ دو تلواریں ایک میان
یہ نہیں رہ سکتی یہ۔

- اس نے پک کر گندہ اس اٹھایا اور اسے ہاتھیں لے کر پھر بولی: یہ
ست بھنا کہ میں ندی دھکی دے رہی ہوں۔ اس میں میں کیا کر دیجھوں، نہیں کہہ
لکن نیک نیک بنادو۔“
- سلیما کا نپ اٹھی۔ اس کے منہ سے ایک ایک لفظ اس طرح نکل ڈیا
جیسے گراموفون میں بھری ہوئی آواز ہو۔ وہ ایک بات بھی نہ چھپا سکی۔ سوانا کے

چہرے سے خوفناک ارادہ ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس پر خون سوار ہو۔
 سونا نے اس کی طرف بڑھی سی چجھ جانے والی نگاہوں سے دیکھا
 اور کٹار سے چوٹ کرتی ہوئی سی لوگی: "مینک میں کہتی ہو؟"
 بالکل میں۔ اپنے بچے کی سوگندہ:
 کچھ چھپایا تو نہیں؟"

اگر میں نے رقی بھر بھی چھپایا ہو تو میری آنکھیں بچوت جائیں۔"
 تو نے اس باتی کو لات کر دی ماں؟ اسے دانت سے کاٹ کیوں نہیں
 لیا؟ اس کا لہو کیوں بنپی یا۔ تو جلانی کیوں نہیں؟"
 ملوکیجا حاصل فے؟

سونا نے پاگل کی طرح انگاروں کی سی آنکھیں نکال کر کہا: "بولنی کیوں
 نہیں؟ کیوں تو نے اس کی ناک دانتوں سے نہیں کاٹ لی؟ کیوں نہیں دنون
 ہانخوں سے اس کا گلا دبایا؟ تب میں تیرے چرنوں پر سر جھکاتی۔ اب تو میری
 آنکھوں میں ہر جائی ہے، پوری بیسا! اگر بھی کرنا تھا تو داتا دین کے نام کو کیوں
 کلنک لگا رہی ہے؟ کیوں کسی کوئے کر بیٹھ نہیں جاتی؟ کیوں اپنے گھر نہیں چلی
 گئی؟ بھی تو تیرے گھردائے چاہتے تھے، تو اپنے اور گھاس لے کر ہات جاتی
 وہاں سے پیسے لانی اور تیرا بآپ بیٹھا ہوا اس پیسے کی نازدی پیتا۔ پھر کیوں
 اس کی آردو میں بڑے لگایا؟ کیوں ستوتی بخی بیٹھی ہے؟ جب ایکلے نہیں رہا جاتا
 تو کیوں کسی سے سکانی نہیں کر لیتی؟ کیوں نڈی تالاب میں ڈوب نہیں مرتی۔
 کیوں دوسروں کی جندگی میں بس گھولتی ہے۔ آج میں سمجھے سے کہے دیتی ہوں
 کہ اگر اس طرح کی بات بھر بھی ہوئی اور سمجھے پتے چلا تو ہم نبنوں میں سے ایک
 بھی بیتان رہے گا۔ بس اب منہ میں کالکھ لگا کر چل فے۔ آج سے میرے

اور تیرے نیچ میں کوئی نہ اٹھیں ہے۔"

سلوچکے سے انٹی اور سنبل کر کھڑی ہوئی معلوم ہوا کہ اس کی کمزورت گئی ہو۔ ایک لمحہ تک ہفت کی فراہمی کی کوشش کرتی رہی گرانپی صفائی میں کچھ سوچھ نہ پڑا۔ آنکھوں میں اندر چھا، سر میں پکر، گلا سوکھ رہا تھا اور سارا بدن بے حس تھا، میکرو مسامات سے جان نکل رہی ہو۔ ایک ایک قدم اس طرح رکھتی ہوئی بیٹھے سامنے کوئی گڑھا ہو۔ وہ باہر آئی اور ندی کی طرف چلی۔

دروانے پر متھرا کھڑا تھا۔ بولا۔ "اس بحثت وقت، کہاں جاتی ہو سلو"

سلونے کچھ جواب نہ دیا۔ متھرا نے بھی پھر کچھ نہ پوچھا۔

وہی روپی چاندنی اب بھی چھالی ہوئی تھی۔ ندی کی لمبی اب بھی چاندنی میں نہار ہی نہیں اور ستو دیوالی گنگی کی سی حالت میں خواب کے سائے کی طرح ندی میں چلی جا رہی تھی۔

مزدوروں کی بہترانی باری سہنے گرائب اس سے مل کے مالکوں کا کوئی
خاص نقصان نہیں ہے اتنے آدمی کم اجرت پر مل گئے ہیں اور جان توڑ کر
کام کرنے ہیں گیونکہ ان میں سب ہی ایسے ہیں جو بیکاری کی تکمیل اٹھا پکے
ہیں اور اب اپنی سکت بھر کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جس سے رزق میں
خلل پڑے۔ چاہے قبنا کام لو اور چاہے جتنی چیزوں دو، انھیں کوئی شکایت
نہیں۔ سر جھکاتے ہوئے بیلوں کی طرح کام میں لگے رہے ہیں، گھر میکوں،
مگا یوں، بہاں تک کہ ڈنڈوں کی مار سے بھی انھیں کوئی شکایت نہیں ہوتی،
اور اب پرانے مزدوروں کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں،
رو گیا ہے کہ وہ اس گھٹی ہوتی مزدوری پر کام کرنے آئیں۔ اور کھنا صاحب
کی خوشامد گریں۔ پنڈت اونکارناٹھ تو انھیں ذرا بھی اعتبار نہیں ہے۔ انھیں
اب وہ تھا پائیں تو شاید بری طرح خریں۔ مگر پنڈت جی بہت بچے ہوئے
رہتے ہیں۔ چراغ جلنے کے بعد اپنے دفتر سے اپنے نیکتے اور افسروں کی
خوشامد میں بھی لگے رہتے ہیں۔ مرزا خورشید کی وہاں اب بھی جیوں کی تولی
ہے۔ لیکن مرزا ان غربوں کی تکلیف اور اس کے دور کرنے کی کوئی بیل
و ندیکھ کر دل سے چاہتے ہیں کہ سب کے سب بحال کرنے جائیں، مگر اس
مکے ساتھ ہی سنتے آدمیوں کی تکلیف کا خیال کر کے پوچھنے والوں سے یہی کہہ دیا
کرتے ہیں کہ جیسی مرضی ہو دیا کریں۔

سر کھنائے پرانے آدمیوں کو بھرنا کری کرنے کا خواہش مندوں کیھا تو

اور بھی اکڑ گئے، حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اس اجرت پر پرانے آدمی نئے نو گوں سے کہیں بہتر ہیں۔ پرانے آدمیوں میں زیادہ تر تو بچپن ہی سے مل میں کام کرنے کے عادی تھے اور خوب مستحق تھے۔ نئے آدمیوں میں زیادہ تر دیہاتیوں کے دکھی کسان جنہیں کھلی ہوا اور میدان میں پرانے زبانے کے چوبی اوزار و لہ سے کام کرنے کی عادت تھی۔ مل کے اندر ان کا دم گھٹتا تھا اور منشیسری کے نیز چلنے والے پر زوال سے انھیں ڈر لگتا تھا۔ آخر جب پرانے آدمی خوب پست ہو گئے شب کھتنا انھیں بجال کرنے پر راضی ہوتے مگر نئے آدمی اس سے کم اجرت پر کام کرنے کو تیار تھے اور اب ڈائرکٹر دل کے سامنے یہ کوال تھا کہ وہ پرانے لوگوں کو بجال کریں یا نئے آدمیوں کو ہری رہتے دیں۔ ڈائرکٹر دل میں نصف تو نئے آدمیوں کی اجرت گھٹا کر رکھنے کے حق میں تھے اور لقیتہ نصف کی یہ راستے تھی کہ پرانے ہی آدمیوں کو موجودہ اجرت پر رکھ لیا جائے کچھ روپ پر زیادہ خرچ ہوں گے صرذر، مگر کام اب سے کہیں زیادہ ہو گا پھرنا مل کی روایت روایت تھے اور ڈائرکٹر نواں کے ہاتھ کی کٹھ پلیاں تھے۔ فیصلہ کھنا ہی کے ہاں میں تھا اور وہ اپنے دوستوں ہی سے نہیں بلکہ دشمنوں سے بھی اس بارے میں رائے لے رہے تھے۔ سب سے پہلے تو انہوں نے گونبدی کی رائے لی۔ جب سے مالتی کی طرف سے انھیں باری ہو گئی تھی اور گونبدی کو معلوم ہو گیا تھا کہ مہتا جیسا عالم، بخوبی کار اور دنائ شخص میری کمی عزت کرنا ہے اور مجھ سے کسی قسم کی ریاضت کی امید رکھتا ہے، تب سے زن و شوہر میں پھر محبت پیدا ہوئی تھی۔ محبت نہ سہی تو باہمی ربط و صبغت تو تھا ہی آپس میں وہ بلن اور تجھنی نہ تھی۔ در میانی دیوار ٹوٹ گئی تھی۔

مالتی کے رنگ دھنگ کی بھی کایا پلٹ ہو رہی تھی۔ مہتا کی زندگی ایک

اب تک مطالعہ اور غور و خوض میں گذری تھی۔ سب کچھ پڑھ چکنے اور دینداری و کفر کو خوب پر کھلینے کے بعد وہ اسی تجھے پر پہنچ تھے کہ تعلق دبے تعلقی دونوں کے بیچ کا جو خدمتی راستہ ہو، ہی زندگی کو با معنی، اور ہستی کو بلند پاکیزہ بناسکتا ہے۔ کسی ہمہ دان خدا پر ان کا اعتقاد نہ تھا۔ اگرچہ وہ اپنی دہریت کو ظاہر نہ کرتے تھے، اس لئے کہ اس کے متعلق قطعی طور سے کوئی راستے قائم کرنا وہ اپنے لئے ناممکن سمجھتے تھے، مگر یہ خیال ان کے دل میں مضبوطی سے قائم ہو گیا تھا کہ جانداروں کی پیدائش دموت اور ان کے تخلیف دار آرام یا عذاب دلواب کے متعلق کوئی خدا کی قانون نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان نے اپنی خود ہی میں اپنے کو اتنا عظیم بنایا ہے کہ اسے ہر ایک کام کی مجرکیت خدا ہی سے ملا کرتی ہے۔ اسی طرح وہ ٹڈیاں بھی خدا کو ذمہ دار تھے اُن ہوں گی، جو اپنی راہ میں سمندر کے حائل ہو جانے پر اربوں کی تعداد میں مر جاتی ہیں اگر خدا کی قوانین اتنے ناقابل فہم ہیں کہ انسان کی تجھیں نہیں ہیں آتے تو انھیں اتنے ہی سے انسان کو ڈھارس مل سکتی ہے؟ خدا کی نصویر کا ایک ہی مقصد ان کی سمجھ میں آتا تھا اور وہ تھا انسانی زندگی کا ایک ہونا۔ وحدت یا کثرت یا عدم یا شد و کور و عادی نہیں، بلکہ ماڈی نقطہ خیال سے دیکھتے تھے۔ اگرچہ ان بتوں کا کسی تاریخی زمانے میں بھی بول بالا نہیں رہا، پھر بھی بنی نوئے انسان کے جلی ارتقاء میں ان کا درجہ بڑی اہمیت کا ہے۔ انسانوں کی یکسانیت میں ہستا کا بہت بڑا اعتقاد تھا مگر اس اعتقاد کے لئے انھیں خدا کی وجود کے تسلیم کرنے کی ضرورت نہ معلوم ہوتی تھی۔ ان کی انسانی محنت کا انحصار اس پرہنہ تھا کہ جملہ جانداروں میں ایک روح ہے۔ توحید و شرک کا مسئلہ ان کی نظر میں روایتی اہمیت کے سوا کوئی اور اہمیت نہ رکھتا تھا اور وہ استعمالی اہمیت ان کے نزدیک انسانوں

کو ایک دوسرے کے قریب لاتے، ان کی باہمی تغیرتی کے مٹانے اور ان میں
اخوت کا جذبہ پیدا کرنے ہی میں مضمیر تھی۔ یہ یکسانت ان کے دل میں چھالی
قائم موگئی تھی کہ اس کے لئے کسی روحانی بنا و کا پیدا کرنا ان کی نظر میں بالکل
فغول تھا۔ پھر ایک بار اس اصلاحیت کو جان کر وہ خاموش نہ بیٹھے سکتے تھے۔ بے لوٹی
کے ساتھ بلا کسی ذاتی غرض کے زیادہ سے زیادہ کام کرنا ان کے لئے ضروری ہیلا
تھا جس کے بغیر ان کے دل کو سکون نہیں سکتا تھا۔ شہرت، منفعت یا فرض کی
اداگی کے خیالات ان کے دل میں آتے ہی نہ تھے۔ ان کی بے ماگی ہی ایکس
ان سے بچانے کے لئے کافی تھی۔ خدمت ہی ایک ان کی خاص غرض ہوتی
جانی تھی اور ان کی اس فراخ دلی کا اثر در پردہ ماتحتی پر بھی پڑتا جاتا تھا۔ اب
تک جتنے مرد اسے ملے سب نے اس کی عیاشا نہ رغبت ہی کو اکنایا۔ اس
کے ترک و اثیار کی طاقت روز بروز گھٹتی ہی تھی مگر مہتا کی محبت سے اس پر
تازگی آنے لگی۔ سب ہی حقیقی انسانوں میں یہ جذبہ چھپا رہتا ہے۔ اور وہ نہیں
پا کر چکا الٹتا ہے۔ انسان اگر دولت یا شہرت کے پیچھے پڑا ہے تو سمجھو
کہ ابھی تک وہ کسی اہل دل کے لگا قدمیں نہیں آیا۔ مالتی اب اکثر غربیوں کے
گھر بلایس لئے مریضوں کو دیکھنے چلی جاتی تھی اور مریضوں کے ساتھ اس کے
برتاویں بڑی زمی آگئی تھی۔ ہاں ابھی تک وہ بنا و شنگار سے اپنا دل نہ ہٹا سکی
تھی۔ رنگ اور پاؤڑ کا چھوڑنا اسے اپنی باطنی تبدیلوں سے بھی کہیں زیادہ
مشکل معلوم نہ تھا۔

ادھر بھی کبھی وہ دونوں دہائوں کی طرف چلے جاتے تھے اور کسانوں
کے ساتھ دوچار گھنٹے رہ کر اور بھی کبھی ان کے چھوڑوں میں رات کاٹ کر اور
ان ہی کا ساکھانا کھا کر اپنے کو خوش قمرت بھجنے تھے۔ ایک روز وہ ستری ہبھج،

گئے اور گھومنتے ہوئے بیلا آری بھی جا پہنچنے۔ ہوری دروازے پر بیٹھا چلم پی رہا تھا کہ ماتحتی اور مہتا اگر کھڑے ہو گئے۔ مہتا نے ہوری کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور بولا "بھی مٹھا بنا گاؤں ہے؟ یاد ہے جب ہم لوگ رائے صاحب کے یہاں آئے تھے اور تم دھنس لیجیے میں مالی بننے تھے؟" ہوری کی یاد تازہ ہو گئی پہچان لی گیا اور شپشوری کے گھر کی طرف کریں لانے چلا۔

مہتا نے کہا: "کرسیوں کا کوئی کام نہیں۔ ہم لوگ اسی چارپائی پر بیٹھے جاتے ہیں۔ یہاں کرسی پر بیٹھے نہیں۔ تم سے کچھ سکھنے آئے ہیں۔" دونوں چارپائی پر بیٹھ گئے۔ ہوری متاخر کھڑا رہا۔ ان لوگوں کی کہا خاطر کرے؟ بڑے آدمی ہیں۔ ان کی خاطر کرنے لائیں اس کے باس ہے کیا آخر اس نے پوچھا: "پانی لاؤ؟" مہتا نے کہا: "ہاں پیاس تو گلی ہے۔" کچھ مٹھائی بھی لیتا آؤ؟" "لاؤ، اگر گھر میں ہو۔"

ہوری گھر میں مٹھائی اور پانی لانے گیا۔ تک گاؤں کے رہگوں نے آگر ان دونوں گوگھر لیا اور دیکھنے لگئے گویا عجائب خانے سے دونوں نوں آگئے ہوں۔

سلیا بنتے کوئی کام سے چلی جا رہی تھی ان دونوں کو دیکھ کر تعجب سے ٹھہر لی۔

ماتحتی نے آگر اس کے بچے کو گاؤں میں لے لیا اور پیار کرتی ہوئی بولی "نکنے دونوں کا ہے؟"

سیا کو ٹھیک نہ معلوم تھا۔ ایک دوسری عورت نے بتلایا: "کوئی سال بھر کا ہو گا؟"

سلو نے تائید کی۔

ماتی نے مذاق کیا: "پیارا بچپن ہے، اسے ہمیں دے دو"

سیا نے گھنٹے سے پھول کر کہا: "آپ ہی کاتو ہے"

"تو میں اسے لے جاؤں"

"لے جائیے آپ کے ساتھ رہ گردی ہو جائے گا"

"گاؤں کی دوسری عورتیں آج گئیں اور ماتی کو ہوڑی کے مکان میں لے گئیں کیونکہ یہاں مردوں کے سامنے ماتی سے گفتگو کرنے کا موقع انھیں نہ ملتا۔ ماتی نے دیکھا کہ پا ریاضی بھی سمجھے اور اس پر ایک دری پڑی ہوئی ہے جو پیشیوری کے یہاں سے مانگ کر لائی گئی تھی۔ ماتی جا کر بیٹھی۔ پچھوں کی خفاف اور پروردش کی بات چلی۔ عورتیں جی لگا کر سنتی ہیں۔

دھینا نے کہا: "یہاں سب کام کیسے ہو گا، سرکار! کھانے مک کا لٹکانا تو ہے نہیں"

ماتی نے سمجھا یا "صفائی میں کچھ خرچ نہیں، اصراف نخواڑی سی محنت اور ہوشیاری سے کام پل سکتا ہو"

دلاری نے پوچھا: "یہ سب باقیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں سرکار؟ آپ کا تو بھی بیاہ نہیں ہوا"

ماتی نے سرکار کو روچھا: "نہیں کیسے معلوم ہوا کہ میرا بیاہ نہیں ہوا؟"

سب ہی عورتیں منہ پھیر کر مکرائیں۔ پیا بولی تھی جہلا یہ بھی چھپا رہتا ہے

سرکار! منہ دیکھتے ہی پتہ چل جاتا ہے"

مالتی نے جھینپٹے ہوئے کہا: "اسی لئے بیاہ نہیں کیا کہ آپ لوگوں کی غصت
کبھے کرتی؟"

سب نے ایک زبان سے کہا: "وھن ہو سرکار! وھن ہوا!"
ملیا مالتی کے پیر دبائے لگی۔ "سرکار! کتنی دور سے آئی ہیں، تھک گئی
ہوں گی۔"

مالتی نے پیر کھینچ کر کہا: "نہیں نہیں، میں تھکی نہیں ہوں۔ میں تو موڑ پر
آئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ لوگ اپنے بچے لایں تو میں انھیں دیکھ کر
بناؤں کہ آپ انھیں کس طرح مندرست رکھ سکتی ہیں؟"
ذرا دری میں بیکھیں بچے آگئے۔ مالتی انھیں دیکھنے لگی۔ کئی پتوں کی
آنکھیں اٹھیں تھیں ان کی آنکھوں میں دواؤالی۔ زیادہ تر سیچے کمر، درخٹے
جس کا سبب تھا دالدین کو اچھا کھانا نہ ملنا۔ مالتی کو یہ جان کر تھبہ ہوا کہ دوڑ
بہت کم گھر دیں میں ہوتا ہے اور گھنی کے نوبروں درشن مہ ہوتے تھے۔

مالتی نے پہاں بھی انھیں کھاتے کی اہمیت بتائی جیسا وہ سب ہی
گھاؤں میں بتایا کرتی تھی اس کا بھی اس لئے کڑھتا تھا کہ یہ لوگ اچھا کھانا
کیوں نہیں کھاتے۔ اسے دیہاؤں پر غصہ آ جاتا تھا۔ کیا تھا راجم اسی لئے ہوا
ہے کہ تم مرمر کر کماو اور جو کچھ پیدا ہوا سے کھانے سکو؟ جہاں دوچار بیلوں کے
لئے چارا ہے وہاں دو ایک گائے بھینیوں کے لئے چارا نہیں ہے؟ کیوں
یہ لوگ غذا کو زندگی کی خاص چیز نہ سمجھہ کر اسے صرف جان بچانے کی جیسی
بچھتے ہیں۔ کیوں سرکار سے نہیں کہتے کہ براۓ نام سود پر روپیوں کے انھیں
سو دخور مہا جزوں کے پنجے سے بچائے۔ اس نے جس کسی سے پوچھا تو یہی
معلوم ہوا کہ اس کی کمائی کا بڑا حصہ مہا جزوں کا فرض ادا کرنے میں صرف ہو جائے۔

بٹوارے کا مرض بھی بڑھتا جانا ہے۔ آپس میں اتنی مخالفت تھی کہ شاید ہی کوئی دو بھائی ایک ساتھ رہنے ہوں۔ ان کی اس درگت کا بہبہ بہت کچھ ان کی تنگ خیال اور خود غرضی تھی۔ مالتی بھی باقی عورتوں سے کرتی رہی اُن کی عقیدت دیکھ کر اس کے دل میں خدمت کی تحریک اور بھی زور پکڑ رہی تھی۔ اس قربانی کی زندگی کے سامنے وہ عیش دارام کی زندگی کتنی حیرت اور مصنوعی تھی۔ آج اس کے وہ ریٹھی کپڑے جن پر زری کا کام تھا، اور وہ خوبصور سے ہٹکتا ہوا بدن اور وہ پاؤڑ لگاتا ہوا چڑھا سے شرمدہ کرنے لگا۔ اس کی کلامی پر بندھی ہوئی سونے کی گھڑی جیسے ٹککی لگاتے اسے گھوڑی تھی۔ اس کے گھلے میں چکتا ہوا جڑا اور ٹکلکس جیسے اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ ان تیاگ اور بھانی کی دیروں کے سامنے وہ اپنی ہی نظر میں حیرت، مورہ ہی تھی۔ وہ ان درہائیوں سے بہت سی بائیں زیادہ جانتی تھی، وفتی رفتار سے زیادہ دافت تھی۔ نیکن جن حالات میں یہ غریب عورتیں اپنی زندگی کو کارائد بنارہی ہیں ان میں کیا دہ ایک دن بھی رہ سکتی ہے؟ دل میں غور کا نام بھی نہیں دن بھر کام کرتی ہیں، فاقہ کرتی ہیں، روٹی ہیں، پھر بھی اتنی ہنس گھمہ اور زندہ دل ہیں! بیچانے ان کے لئے اس قدر بیچانے ہو گئے ہیں کہ ان کا اپنا وجہ ہی نہیں رہا۔ ان کی یکانگت اپنے بچوں میں، اپنے شوہر میں اور اپنے رشتہ داروں میں ہے۔ اسی خیال کی حفاظت کرتے ہوئے اور اسی کے دائزے کو بڑھاتے ہوئے مستقبل کا ناسانی معیار بننے لگا۔ سیدار مورتوں میں اس کے بجائے خود پر درہ کا جو خیال پیدا ہو گیا ہے، یعنی سب کچھ اپنے لئے، اپنے ہی عیش دارام کے۔ لئے، اس سے تو یہ خواب کی حالت ہی بھلی! ما نا کہ مرد بے رحم ہے مگر ہے تو ان ہی ماں کا جایا ہوا کیوں ماں نے رہ کے کو ایسی تعلیم نہیں دی کہ وہ ماں کی اور اس کے ناتے کل نسوائی طبقہ کی پرستش کرنا؟ اسی لئے کہ ماں کو ویسی تعلیم دینا

نہیں آتا، اسی لئے کہ اس نے خود کو اتنا منادیا ہے کہ اس کی ہدایت ہی تبدیل ہو گئی ہے، اس کی شخصیت ہی ختم ہو گئی ہے! -

انھیں خود کو مٹانے سے کام نہ پڑے گا۔ عورت کو سماج کی فلاج کے لئے اپنے حقوق کی حفاظت کرنی ہوگی، اسی طرح بیسے ان کا ذمہ کو اپنی حفاظت کے لئے اپنی اس فرشتہ خصلتی کو کسی قدر ترک کرنا پڑے گا۔

شام ہو گئی تھی۔ مالتی کو عورتیں اب تک گھیرے ہوئے تھیں۔ اس کی باتوں سے جیسے ان کا جی، ہی نہ بھرنا لقا۔ کئی عورتوں نے ان سے رات میں بیس رہنے کا اصرار کیا۔ مالتی کو بھی ان کا سادہ پریم ایسا پیارا لگا کہ اس نے ان کی دعوت شکور کر لی۔ رات کو عورتیں اسے اپنا گانا نہایت تھی۔ مالتی نے گھر گھر میں جا کر ہر جگہ کی حالت سے واقفیت حاصل کرنے میں اپنا وقت صرف کیا۔ اس کی پُرخلوص ہوا خواہی اور ہمدردی دیہائی عورتوں کے لئے دیوی کے بردان سے کم نہ تھی۔

اوہرہ تھا صاحب چارپائی پر بیٹھے ہوئے کسانوں کی کشتی دیکھ رہے تھے پچھتا رہے تھے کہ مرزا صاحب کو کیوں نہ ساکھ لے یا، ورنہ ان کی بھی ایک کشتی ہو جاتی۔ انھیں تعجب ہو رہا تھا کہ اسیے مفسبوطاً اور معصوم رضاکوں کے ساکھ تعلیم فہم لوگ یکسے بے رسمی کا برداشت کرتے ہیں۔ نادالی کی طرح دانائی بھی سادا، صاف اور سنبھر سے پہنچوں والی ہوتی ہے انسانیت پر اس کا اتنا زبردست اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ مخالفانہ سلوک کو انسانیت کے خلاف سمجھنے لگتی ہے۔ وہ بھول جاتی ہے کہ بھرپوروں نے بھرپوروں کی معصومیت اور بے چارگی کا جواب ہمیشہ بخوبی اور دانوں سے دیا ہے۔ وہ اپنی ایک معیاری دینا بناؤ کر اسے معیاری شخصیتوں سے آباد کرتی ہے۔ اور اسی میں مگن رہتی ہے۔ حقیقت کتنی ناقابلِ مثکل اور غیر قدرتی ہے۔ یہ خیال کرنا اس کے لئے مثکل ہو جاتا ہے۔ مہماضتا

اس وقت ان گنواروں کے زخم میں بیٹھے ہوئے اسی سلسلے کو مل کر رہے تھے کہ ان کی حالت اتنی قابلِ رحم کیوں ہے۔ وہ اس پچائی سے سامنا کرنے کی تہمت نہ کر کر تھے کہ ان کی فرشتہ خصلتی ہی ان کی تباہ حال کا بسبی ہے۔ کاشی یہ لوگ زیادہ انسان اور کم ترقیت ہوتے تو اس طرح نہ شکراۓ جاتے جاتے۔ بلکہ میں کچھ بھی ہو، انقلاب ہی کیوں نہ آجائے مگر ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ کوئی جماعت ان کے سامنے طاقت درین کر آئے تو اس کے سامنے یہ سر جھکانا نے کو تیار ہی۔ ان کی مخصوصیت ہے حسی کسی مذکور پہنچ گئی ہے، جسے کوئی سخت صدر ہی ذی صورت مخچک بنایا سکتا ہے۔ ان کی آنماگی یا ہر طرف سے ملوس ہو کر اب پہنچ اندر ہی پر قوڑ کر پہنچ گئی ہے، اگر یا ان میں زندگی کا احساس ہی نہیں ہو۔

شام ہو گئی تھی جو لوگ اپنے تک کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ وہ بھی دوڑے پلے آتے تھے۔ اسی وقت ہمہ تانے والتی کو گاؤں کی کئی عورتوں کے ساتھ ایسی محبت سے ایک بچے کو گرد میں لئے دیکھا گیا وہ بھی ان ہی میں سے ایک ہو۔ ہمہ تانے والوں خوشی سے بھر گیا۔ والتی نے ایک طرح سے خود کو ہمہ تانے کے لئے دعف کر دیا تھا۔ اس کے متعلق ہمہ تانے کو اپنے شک و شبہ نہ دعا۔ مگر ابھی تک ان کے دل میں والتی کے لئے وہ پاک اور بلند خدا ہیں پیدا نہ ہوئی تھی جس کے بغیر شادی کی تجویز کرنا ان کے لئے مضمون کیلئے ایگر تھا۔ والتی ناخواندہ ہمہ اپنے کی طرح ان کے در داڑے پر آگھڑی ہو گئی تھی اور ہمہ تانے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ اس میں غبہت کا جزو بذاتھا، صرف مردیت کا جزو بذاتھا۔ اگر والتی انہیں اس قابل تھجتی ہے کہ ان پر عنايت کی نظر کرے تو ہمہ تانے کی اس عنایت کرنا منظور نہ گر سکتے۔ اس کے ساتھ ہی وہ والتی کو گوبندی کے راستے سے شادی نیا پاہتھے تھے اور وہ جانتے تھے کہ والتی جب تک اپنا پیر آگے نہ جائے گی، پہلا ہر بیرنہ اٹھائے گی۔

وہ جانتے تھے کہ ماتی کے ساتھ فریب کر کے وہ کینگی ہی کا انہار کر رہے ہیں۔ اس کے لئے ان کا ضمیر انھیں برا بر ملامت کرتا رہتا تھا، مگر جیوں جیوں وہ ماتی کو فریب سے دیکھتے تھے ان کے دل میں کشش بڑھتی جاتی تھی۔ حن کی دلکشی قوان پر کوئی اثر نہ ڈال سکتی تھی۔ یہ ادھار کی دلکشی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ جسے پچھی مجت کہہ سکتے ہیں۔ وہ ایک رشتے میں مندک ہو جانے کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے قبل جو مجت ہوتی ہے۔ وہ تو محض فریفتگی ہے جسے ذرا بھی قیام و فرار نہیں۔ مگر اس سے پہلے یہ تصنیفہ تو کر لینا ضروری تھا کہ جو سبقت مبارکی فربت کی خزاد پر چھپے گا وہ خزاد کے لئے موزوں بھی ہے یا نہیں بھی پھر تو خزاد پر جو ڈھونکر خوب صورت مورتوں کی شکل نہیں اختیار کر سکتے۔ اتنے دنوں میں ماتی نے ان کے دل کے مختلف حصوں پر اپنی شعاعیں ڈالی تھیں۔ جو ابھی تک مرکوز ہو کر شعلے کی صورت میں نہ پھوٹ پڑی تھیں جس سے ان کا سارا دل روشن ہو جاتا۔ آج ماتی نے اپنی دیہانی بہنوں سے مل کر اور ساری تفریق کو مٹا کر گویا ان شعاعوں کو مرکوز کر دیا۔ اور آج پہلی بار رہتا کہ ماتی کے مختلف بھانگت کا احساس ہوا۔ جیوں ہی ماتی گاؤں کا گشت لگا کر گوئی، انہوں نے لئے ساتھ لے کر نزدی کی طرف رُجھ کیا۔ لیکن بہیں گزارنے کا ارادہ ہو گیا۔ ماتی کا دل آج نہ جانے کیوں دھرم کئے لگا۔ رہتا کے چہرے پر آج اک ایک عجیب روشنی اور خواہش جھلکتی ہوئی نظر آئی۔

ندی کے کنارے چاندی کافرش بچا ہوا تھا اور ندی جواہرات سے جوڑے ہوئے گئے پہنے ہوئے بیٹھے سردوں میں چاہا کر چاند اور تاروں ما اور غنودگی کی حالت میں سر جھکاتے ہوئے پیر ڈوں کو اپنارقص دکھار ہی تھی۔ بہتا قدرت کی ممتازی پہن پر جیسے مست ہو گئے، گویا ان کا سچپن اپنے سارے

کھلدوں کے ساتھ لوٹ آیا ہو رہت پر کو دتے اور دوڑتے ہوئے نزدی میں چاکر کھینچنے تک پانی میں کھڑے ہو گئے۔

ماتی نے کہا۔ پانی میں نہ کھڑے ہو، کہیں ٹھنڈنے لگ جائے یہ۔
ہتھا نے پانی اچھال کر کہا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ تیر کرنے کے اس پار چلا جاؤں یہ۔

”نہیں نہیں پانی سے نکل آؤ۔ میں نہ جانے دوں گی یہ۔“

”تم نیرے ساتھ نہ چلو گی؟ اس سونی بسمی میں جہاں سپنوں کا راج ہے یہ۔“

”مجھے تو تیرنا نہیں آتا یہ۔“

”اچھا آؤ ایک ناؤ بنایں اور اس پر بیٹھ کر چلیں یہ۔“
دہ باہر نکل آئے۔ آس پاس بُری دور تک جھاؤ کا جنگل کھڑا تھا۔ ہتھا نے جیب سے چاف نکالا اور بہت سی ہنیاں کاٹ کر جمع کیں۔ کنارے پر سر پت اٹھا ہوا تھا۔ وہاں جا کر ایک گھنٹا کاٹ لائے اور دہیں بالوں کے فرش پر بیٹھ کر رسی بیٹھنے لگے۔ ایسے خوش گویا بہشت جانے کی تیاری کر رہے ہوں۔
کئی بار ان جھنکیاں چڑھتیں، خون نکلا۔ ماتی ناراض ہو رہی تھی اور بار بار کا توں توں پس جانے کے لئے اصرار کر رہی تھی مگر انھیں کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہی سچوں کی سی خوشی تھی وہی الراہ پن تھا، وہی ہٹ تھی۔ نفسہ اور سائنس سب ہی اس بہاؤ میں بہہ گئے تھے۔

رسی تیار ہو گئی۔ جھاؤ کا بڑا تختہ سا بن گیا۔ ہنیاں دو ٹوں سروں پر رسی سے جو ٹوں گئی تھیں۔ اس کے سواخوں میں جھاؤ کی پیتاں بھردی گئیں تک پانی اور پرندے آئے۔ ناؤ بسوار ہو گئی۔ رات اور بھی خواب آ لو ہو گئی تھی۔

مہتا نے ناؤ کو پانی میں ڈال کر مالتی کا ہاتھ پکڑنے ہوتے کہا: "او بیٹھو
مالتی نے ڈرستے ہوتے کہا: "دو آدمیوں کا بوجھ سہار سکے گی؟"
مہتا نے فلسفیانہ قلبتم سے کہا: "جن ناؤ پر بلیخی ہوتے ہم لوگ زندگی
کا سفر پورا کر رہے ہیں وہ نواس سے کہیں زیادہ کرنے والے مالتی! کیا ڈرہی
ہو؟"

"ڈرکش بات کا جب تم ساختہ ہو۔"

"بچ کہتی ہو۔"

"اب تک میں نے بلاگسی کی مدد کے مشکلوں کو سرپاہے۔ اب تو تھارے
ساختہ ہوں۔"

دونوں اس جھاؤ کے سختے پر بلیخی اور مہتا نے جھاؤ ہی کے ایک نڈیے
سے اسے کھینا شروع کیا۔ سختہ ڈگ کھانا ہوا پانی نہیں بہ پلا۔

مالتی نے دل سے اس خطرے کا خیال دور گئے کے لئے پوچھا: "تم ہمیشہ شہروں میں رہے، دیہاتی زندگی کے عادی کیسے ہو گئے؟ میں تو
ایسا سختہ بھی نہ بناسکتی۔"

مہتا نے اسے چاہتے بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا: "شاید یہ میرے
پچھلے جنم کا سنکار ہے۔ قدرت سے مس ہوتے ہیں جیسے مجھ میں نئی زندگی
ویسی آجائی ہے۔ رُگ رُگ میں جنہیں ہونے لگتی ہے۔ ایک ایک چڑیا، ایک
ایک جانور جیسے بچے خوشی کی دعوت دیتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے بھولے
ہوتے تکھوں کی یا دلارما ہوا یہ خوشی بچے اور کہیں بھی نہیں طبق مالتی! مو سیقی
کے رلانے والے راگوں میں بھی نہیں، فلسفہ کی بلند پردازوں میں بھی نہیں،
بھیسے یہ سب میرے اپنے گے ہوں۔ قدرت کے نیچے میں پڑا کر جیسے میں اپنے

اپ کو پا جانا ہوں، جسے پرندے پنے گھونسلے میں آجائے ۔ ”
 سختہ ڈگنا تا، کبھی ترچا، کبھی سیدھا، کبھی چکر کھانا تا، ہوا چلا جا رہا تھا۔
 دفتاری نے آزردگی سے پوچھا: اور میں تھاری زندگی میں کبھی نہیں
 آتی؟ ”

مہتا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا: آتی ہو، بار بار آتی ہو، خوشبو کے
 ایک جھونکے کی طرح، تصور کے ایک عکس کی طرح، اور پھر غائب ہو جاتی ہو۔
 دوڑتا ہوں کہ تھیں ہاتھوں سے جکڑ لوں، اگر ہاتھ کھلے رہ جاتے ہیں اور
 تم ہوا ہو جاتی ہو۔ ”
 ماتحتی نے مجنوناٹہ کہا: ”تم نے اس کا میب بھی سوچا یا کھانا چاہا؟ ”
 ”ہاں ماتحتی بہت سوچا اور بار بار سوچا: ”
 ” تو کیا معلوم ہوا؟ ”

”یہی کہ میں جس بنیاد پر اپنی زندگی کا گھر کھدا کرنا چاہتا ہوں وہ ناپاندر
 ہے۔ یہ کوئی بڑا محل نہیں، بلکہ صرف ایک چھوٹی سی اکیٹی کٹی ہے، انگریز
 کے لئے بھی تو کوئی مستقل بنیاد چاہیئے۔ ”

ماتحتی نے اپنا ہاتھ پھردا کر میے رددھتے ہوئے کہا: ”یہ جھوٹا محل ہے۔
 ” یہ جھوٹا محل ہے۔ تم نے مجھے ہمیشہ امتحانی نظر سے دیکھا۔ کبھی کی نکاح بُو
 سے نہیں۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ عورت امتحان نہیں چاہتی، بلکہ محبت
 چاہتی ہے۔ امتحان کے اوصاف کو غیوب اور حُسنِ فتح بنانے والی چیز ہے۔
 محبت اس کے بر عکس کر دکھاتی ہے۔ میں نے تم سے محبت کی تو میں خیال
 ہی نہیں کر سکتی کہ تم میں کوئی عیب ہے، مگر تم نے میرا امتحان پا اور تم مجھے
 ملکوں، امورخ اور نہ جانے کیا کیا سمجھ کر مجھے سے ہمیشہ دور بھاگتے رہی۔ نہیں!

میں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں وہ مجھے کہہ لینے دو۔ میں کیوں متلوں اور شوخ تھی؟ اسی لئے کہ مجھے وہ محبت نہیں ملی جو مجھے منقل اور متنین بناتی اگر تم نے اپنے آپ کو اسی طرح میرے مٹے دفعت کر دیا ہوتا بیبا میں نے تھارے لئے کیا ہے تو تم آج مجھ پر الیانا مناسب حملہ نہ کرتے؟

مہتا نے ماتحتی کے روشنی کا لطف اٹھاتے ہوئے کہا: تم نے میرا امتحان کبھی نہیں یا؟ پس کہتی ہو؟

"بھی نہیں" "تو م نے غلطی کی" "میں اس کی پرواہ نہیں کرتی"

جذبے میں نہ آؤ، ماٹنی۔ محنت کرنے سے پہلے ہم سب امتحان لیتے ہیں اور تم نے بھی لیا، دوپر وہ ہی سہی۔ میں آج تم سے صاف کہتا ہوں کہ پہلے یہ میں نے تھیں اسی طرح دیکھا جیسے ہر روز ہزاروں ہورزوں کو دیکھا کرتا ہوں۔ صرف تفریحی خیال سے اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو تم نے بھی مجھے اپنی تفریخ کئے اُک سا کھلننا سمجھا۔“

ماتی نے لُکا : غلط کہتے ہو۔ میں نے کبھی تم کو اس نظر سے ہیں و مکجا
میں نے پہلے یہ دن تھیں ابنا دیتا پا کرا پئے دل.....“

ہٹھتائے بات کاٹ کر کہا: پھر وہی جذبہ! مجھے اپنے اہم معاملے میں جذبے کو دل دینا پسند نہیں۔ اگر تم نے پہلے ہی دن سے مجھے اس عنایت کے قابل تمجھا تو آں کا ہی سبب ہو سکتا ہے کہ میں یعنی بنانے میں تم سے زیادہ ہوشیار ہوں اور رہ جہاں تک میں نے نوازی فطرت پر غور کیا ہو تو عورتیں محبت کے بارے میں کافی چہاں بین کرتی ہیں۔ ہے تو سو مگبیرے مردوں کی

آزمائش ہوئی تھی۔ وہی بات اب بھی موجود ہے، چاہے اس کا روپ کچھ بدل گیا ہو۔ میں نے تب سے برابر ہی کوشش کی ہو کہ خود کو سراپا تھارے سامنے رکھ دو اور اس کے ساتھ ہی تھارے دل تک پہنچ جاؤ اور میں جیوں جیوں تھارے دل کی گہرائی میں گیا ہوں مجھے جواہرات ہی ملے ہیں۔ میں لفڑی حکے لئے آیا اور آج پر تاز بنا ہوا ہوں۔ تم نے میرے اندر کیا پایا، یہ مجھے معلوم نہیں۔“

ندی کا دوسرا کنارہ آ گیا۔ دونوں اڑکر اسی رہت کے فرش پر جا بیٹھے اور مہتا پھر اس رویں بولے：“اور آج میں یہاں وہی پوچھنے کے لئے نمیں لا یا ہوں۔“

ماتی نے کامپتی ہوئی آواز میں کہا تھا کیا ابھی نمیں مجھ سے پوچھنے کے بقدرت ہانی ہے۔“

ہاں اس لئے کہیں آج نمیں اپنا وہ روپ دکھاؤں گا جو شاید ابھی تک تم نے نہیں دیکھا اور جسے میں نے بھی چھپا پا ہے۔ اچھا مان لو کہ تم سے شادی کر کے کل یوفائی کروں تو تم مجھے کیا سزا دو گی؟“

ماتی نے ان کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اس کا مطلب وہ نہ کہیں یعنی ”ایسا سوال کیوں کرتے ہو؟“

”میرے لئے یہ بہت اہم بات ہے۔“

”میں اسے ممکن نہیں سمجھتی۔“

ذینما میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا مہاتما بھی ایک لمحیں۔

بھرثٹ ہو سکتا ہے۔“

”میں اس کا بہب کھوجوں گی اور اسے دور کروں گی۔“

”مان لو کہ میری عادت نہ چھوٹی۔“

" پھر میں نہیں کہہ سکتی کہ کیا کروں گی۔ شاید رہ کھا کر سور ہوں " ۔

مالتی نے ڈرتے ہوتے پوچھا: " بناو؟ "

مہتا نے مستقلال سے کہا: " میں پہلے تھاری جان لے دوں گا، پھر اپنی دیسے دوں گا " ۔

مالتی نے زور سے فتح علیہ مارا اور سر سے پیریک کا نپ اٹھی۔ اس کا افہمہ

اپنے لرزش کے چھپانے ہی کے لئے تھا۔

" مہتا نے پوچھا: " تم ہنسیں کیوں؟ "

" اسی لئے کہ تم ایسے ہنسنے والے نہیں معلوم ہوتے؟ "

نہیں مالتی، اس بارے میں میں پورا جیوان ہوں اور اس پر بُجھانے کا کوئی سبب نہیں دیکھتا۔ روعلیٰ محبت اور اشار آمیرِ محبت اور بے غرضانہ محبت جس میں آدمی خود کو مٹا کر صرف معشوق کے لئے بیتا ہے، اس کی خوشنی میں خوش ہوتا اور اس کے پریدن پر اپنی روح قربان کر دیتا ہے، یہ سب میری لئے محض بے معنی الفاظ ہیں۔ میں نے کتابوں میں الیٰ محبت کے قصے پڑھے ہیں۔ جہاں عاشق نے معشوق کے نئے عشاق کے لئے اپنی جان دے دی ہے۔ مگر اس جذبے کو میں حقیقت کہہ سکتا ہوں، اطاعت کہہ سکنا ہوں، مگر محبت کبھی نہیں۔ محبت سیدھی سادھی گائے نہیں بلکہ خونخوار شیرنی ہے جو انہوں نے شکار پر کسی کی آنکھ بھی نہیں پڑھنے دیتی ۔

مالتی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: " اگر محبت خونخوار شیرنی ہے تو میں اس سے دُردہ ہی رہوں گی۔ میں نے قوا سے گائے ہی سمجھ رکھا تھا میں محبت کو بدگمانی سے بالآخر بھیتی ہوں۔ وہ جہانی نہیں، بلکہ روعلیٰ چیز ہے۔ بدگمانی کی دہانی ذرا بھی گنجائش نہیں، اور نہنا تو بدگمانی ہی